



اسلامی جہاد کے اصول و ضوابط اور عصری معنویت (عہد خلافت راشدہ کے تناظر میں)

The Principles of Islamic Jihad and its Contemporary Status (In the context of the Caliphate's Era)

Dr. Usman Liaquat

Lecturer Islamic Studies, Govt. F.M.F. Graduate College, Peoples Colony, Gujranwala

Email: usmanhijazi785@gmail.com

Muhammad Naimat Ullah

PhD Scholar, Dept. of Islamic Studies, University of Education, Lahore/Librarian, Govt.

Mines Labour Welfare Boys Higher Secondary School, Makerwal, Mianwali

Email: muhammadnaimatullah53@gmail.com

<https://orcid.org/0009-0004-9412-1686>

Islam gives perfect guidance to man in every sphere of life. There is no aspect of human life that does not have Islamic rules and regulations. From family affairs to da'wah and preaching and the field of jihad, all related etiquette are because of Islam. Islamic law, like other spheres of human life, has laid down rules and regulations to keep war within the realm of civilization and humanity. After carefully examining the etiquette of jihad of the Holy Prophet ﷺ and his appointed commanders and the Rightly Guided Caliphs, the derived rule is: The cause of war would not be a desire but a genuine need. However, when it is not possible to resolve the issue peacefully and there is no other option, then it will be allowed with keeping in consideration the etiquette of killing. "All the war campaigns in the Righteous Caliphate were in fact a continuation of the conquests of the Prophet's time.

Key Words: Jihad, War, Holy Prophet ﷺ, Caliphs, Ethics.



تعارف:

اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی کامل رہنمائی فرماتا ہے۔ عائلی امور سے لیکر دعوت و تبلیغ اور میدانِ جہاد تک کے آداب اسلام ہی کا خاصہ ہے۔ اسلامی شریعت نے انسانی زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح جنگ کو بھی تہذیب اور انسانیت کے دائرے میں رکھنے کے لیے احکام، اصول اور قواعد وضع کیے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقرر کردہ سالاروں اور خلفاء راشدین کے اندازِ جہاد سے آداب القتال کا بغور جائزہ لینے کے بعد یہ ضابطہ اخذ ہوتا ہے کہ "جنگ بوقتِ ضرورت ہوگی، اسے بطور خواہش نافذ نہیں کیا جائے گا بلکہ ایک ناگزیر مجبوری سمجھتے ہوئے جب پر امن طریقوں سے مسائل کا حل ناممکن ہو اور اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو تو آداب القتال کی رعایت کرتے ہوئے اس کی اجازت ہوگی۔" اسلامی تعلیمات کے مطابق غیر مسلموں سے جنگ کی وجہ ان کا کفر یا اسلام کی عدم قبولیت نہیں ہے بلکہ اس کا سبب اسلام یا مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا ہے، اسی طرح اسلامی جہاد کا بنیادی مقصد اسلامی ریاست کی علاقائی توسیع بھی نہیں ہے۔¹ اس بنیاد پر فقہاء اسلام کی غالب اکثریت کے مطابق غیر مسلموں سے قتال کی علت کفر یا شوکتِ کفر نہیں بلکہ "محاربہ" ہے۔² اسی وجہ سے شریعت نے یہ لازم ٹھہرایا ہے کہ اگر مخالف فریق تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی تو جنگ سے پہلے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی "المبسوط" میں ہے کہ ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

لا تقاتلوهم حتی تدعوهم فان ابوا فلا تقاتلوهم حتی يبدؤكم فان بدؤكم فلا تقاتلوهم حتى يقتلوا منكم قتيلا ثم اروهم ذلك القتل و قولوا لهم: هل الى خير من هذا سبيل؟ فلان يهدي الله تعالى على يدك خير لك مما طلعت عليه الشمس و غربت³

"ان سے جنگ نہ کرو جب تک کہ ان کو (اسلام کی) دعوت نہ دو، اگر انہوں نے دعوت کی قبولیت سے انکار کیا تو ان سے جنگ نہ کرو جب تک وہ خود شروع نہ کریں۔ پھر اگر وہ جنگ شروع کریں تو ان سے نہ

¹ شیخ یوسف القرضاوی "الفقه الجہاد" میں لکھتے ہیں:

"Expansion and appropriation are not amongst the objectives of jihad, nor is the eradication of disbelief from this world, for that is against God's law of difference and mutual checking. Nor do the objectives of jihad include imposing Islam on those who do not believe in it, for that contravenes God's law of diversity and pluralism." (Yusuf al-Qaradawi, Fiqh al-Jihad: P 423, Maktba Wahba Cairo, Egypt 2009)

"علاقوں کی توسیع اور اختصاص جہاد کے بنیادی مقاصد میں سے نہیں ہیں اور نہ ہی الحاد کا خاتمہ کیوں کہ یہ اللہ کے قانون اور باہمی رواداری کے خلاف ہے۔ نہ ہی یہ جہاد کے مقاصد میں سے ہے کہ اسلام کو غیر مسلموں پر زبردستی نافذ کیا جائے ایسا کرنا خدا کے نظامِ تنوع کے خلاف ہے۔"

² Muḥammad bin Abdul Wahid, Fathul Qādīr, (Beirut: Dār al Fikr, 2015 AD), 291/4.

³ Muḥammad bin Aḥmad, Al Sarkhasī, Al Mabsūt, Kitāb al Siyar, (Beirut: Dar al Ma'rifa, 1977 AD),

لڑو یہاں تک کہ وہ تم میں سے کسی کو قتل کر دیں، پھر انہیں مقتول کی لاش دکھا کر پوچھو! کیا اس سے بہتر کی طرف کوئی راہ نکل سکتی ہے؟ پس اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی کو ہدایت نصیب کرے تو یہ تمہارے لیے اس تمام سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع اور غروب ہوا۔"

علیہ القتال کی تعیین کے بعد ضروری ہے کہ ان صورتوں کا ذکر کیا جائے جن کو اسلامی قانون نے محاربے میں داخل قرار دیا ہے اور وہ جنگ کے اسباب شمار ہوتے ہیں:

1: حقوق کا دفاع

دین، نفس، عقل، نسل اور مال کا تحفظ ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ دنیا کا کوئی قانون کسی کے ان بنیادی حقوق کو پامال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام انسانی حقوق کے تحفظ کا سب سے بڑا داعی اور محافظ ہے۔ اسلام نے ظلم و زیادتی، سرکشی، نا انصافی اور جارحیت کو حرام قرار دیا ہے اور عدل و انصاف اور رواداری و مساوات کا حکم دیا ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ ان ضروریات کی اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں:

"ان سے مراد وہ امور ہیں جن پر دنیا میں انسانی زندگی موقوف ہو اور جن کے بغیر انسانی زندگی استوار نہ ہو سکے، ایسے امور پانچ ہیں: دین، نفس، عقل، نسل اور مال۔"⁴

اسی لیے اسلام مذکورہ حقوق کے دفاع اور تحفظ کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اگر کوئی ان پر حملہ آور ہو تو اس کے خلاف جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَفْتَالُونَكُم وَلَا تَغْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ⁵

"اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر تم زیادتی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

2- ظلم و فساد کا خاتمہ:

ظلم کا خاتمہ اسلامی تعلیمات کا لازمی تقاضا ہے، کیونکہ کوئی بھی سلیم الفطرت انسان ظلم و زیادتی کو برداشت نہیں کرتا اسی لیے اسلام نے ظلم کے خاتمے اور بدلے کے لیے جہاد کی اجازت دی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ-الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ السُّلُوكُ وَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ-الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ السُّلُوكُ وَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ⁶

"جنگ کی اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہو ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ان کو جن کو ان کے گھروں اور ان کے اموال سے بے دخل کیا گیا صرف اس بنا پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ بعض لوگوں کے شر کو بعض دوسرے

⁴ Ibrāhīm bin Mūsā, Al Shatbī, Al Muwafqāt fi Usūl al Aḥkam (Beitut: Dār Ihya al Turath al 'Arbī, 1982 AD), 38/1.

⁵ Al-Baqarah: 190.

⁶ Al Hajj: 39-40.

لوگوں کی جدوجہد کے ذریعے دور نہ کرتا تو گرے، خانقاہیں، معابد اور مساجد جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے ڈھادی جاتیں۔"

3۔ امن معاہدات کی خلاف ورزی:

اگر مسلمانوں نے غیر مسلموں سے امن کا معاہدہ کیا ہو اور وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو ایسی صورت میں ان کے خلاف جنگی اقدام جائز ہو جاتا ہے۔ معاہدے کی واضح طور پر خلاف ورزی کرنے والی قوم سے عہد شکنی کے جرم میں جہاد کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَتِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ أَلَا تَتَذَكَّرُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدْعُكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ اتَّخَشَوْهُمْ فَلَا يَخْشَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ⁷

"اور اگر معاہدہ کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے پیشواؤں سے لڑو بیشک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ان سے لڑو تاکہ یہ باز آجائیں۔ کیا اس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا حالانکہ پہلی مرتبہ انہوں نے ہی تم سے ابتداء کی تھی تو کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ پس اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔"

یعنی بیہان کا ایفادہ اصل ایمان کی توسیط ہے جو مومن کے لیے نہایت ضرورت ہے۔

4۔ مظلوم کی دادرسی:

اگر دارالاسلام سے باہر مقیم مسلمانوں پر ظلم کیا جا رہا ہو اور وہ ہجرت نہ کر سکتے ہوں تو ان کی مدد مسلمانوں پر لازم ہو جاتی ہے۔ انہیں ظالموں کے ظلم سے نجات دلانا ہر صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے اس مقصد کے لیے جہاد کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجَرُوا وَإِنْ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ⁸

"اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ دین میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا واجب ہے مگر یہ کہ ایسی قوم کے خلاف مدد مانگیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔"

معلوم ہوا مظلوم کی دادرسی ایمانی اوصاف میں سے ایک وصف ہے۔

⁷ Al Tawba: 12-13.

⁸ Al Anfal: 72.

Al Anfal: 72.

5- داخلی امن واستحکام:

اگر کوئی فرد یا گروہ دارالاسلام میں فساد پھیلاتا ہے تو اس کی بیخ کنی کے لیے جہاد کیا جائے گا۔ ایسا گروہ جو بغاوت پر اتر آئے اور حکومت کی اطاعت سے نکل جائے تو اس کے خلاف باقاعدہ جنگی اقدام کیا جائے گا۔ دارالاسلام میں محاربے کا ارتکاب مثلاً دینی شعائر کی بے حرمتی، بالخصوص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی، ارتداد اور اہل ذمہ کی جانب سے عقد ذمہ کا توڑ دینا، مذکورہ جرائم "محاربہ" قرار دیئے جائیں گے اور صورت حال پر قابو پانے کے لیے بعض شرائط اور حدود و قیود کے ساتھ داخلی طور پر جہاد کو مشروع قرار دیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ⁹

"بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں خوب قتل کیا جائے یا انہیں سولی دیدی جائے یا ان کے ایک طرف سے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک کی سرزمین سے جلاوطن کر کے دور کر دیئے جائیں یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

یعنی معاشرے کا داخلی انتشار فساد سے عبارت ہے اور فساد استحقاق عذاب کا سبب ہے۔

6- اسلام کے خلاف محاربہ:

اسلام ہر شخص کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرتا ہے اور انسان کو اختیار دیتا ہے کہ وہ چاہے تو اسلام قبول کرے اور چاہے تو کفر پر قائم رہے، کافر کو قبول اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے کفر کی وجہ سے کوئی دنیوی سزا دی جائے گی۔ اسلامی قانون کے مطابق ایک غیر مسلم کا تفہیم کے لیے احکام اسلام کی وضاحت طلب کرنا اس کا حق ہے اور جواب دینا مسلمانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے البتہ اگر وہ اسلام کا مذاق اڑائے یا اس کے شعائر کے خلاف ہرزہ سرائی کرے تو "طعن فی الدین" کو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف محاربہ تصور کیا جائے گا۔ قرآن مجید میں سورہ توبہ میں مشرکین کے خلاف اقدام کا جو جواز ذکر کیا گیا ہے وہ طعن فی الدین ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا إِنَّهُمْ الْكُفَرُ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ¹⁰

"اور اگر وہ تم سے معاہدہ کرنے کے بعد اسے توڑ دیں اور تمہارے دین میں کوئی عیب لگائیں تو کفر کے ان پیشواؤں سے لڑو، ان کے معاہدے کا کوئی اعتبار نہیں ہے تاکہ یہ باز آجائیں۔"

عہد خلافت راشدہ کی جنگی مہمات کے متعلق ڈاکٹر محمد مشتاق احمد لکھتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی جنگیں ایک مخصوص نوعیت کی جنگیں تھیں اور ان کی اس مخصوص نوعیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب پر اتمام حجت کیا اس لیے انہوں نے صرف مشرکین کی طاقت کا خاتمہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے مشرکین کا صفایا کیا کیونکہ ان

⁹ Al Mā'ida: 33.

¹⁰ Al Tawba: 12.

کے مخاطب مشرکین کے لیے حکم یہ تھا کہ وہ اسلام قبول کریں یا ان کا فیصلہ تلوار سے کیا جائے گا۔ البتہ ان کے مخاطبین میں جنہوں نے مشرکین سے کم تر جرم کا ارتکاب کیا "یہود و نصاریٰ" تو ان کے لیے حکم یہ تھا کہ اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتے تو ان کی قوت ختم کر دی جائے اس کے بعد وہ چاہیں تو اپنے باطل دین پر قائم رہیں۔ مجوس کا جرم ایک لحاظ سے مشرکین عرب کی طرح کا تھا کہ انہوں نے بھی خالص کو دین بنالیا تھا لیکن ایک دوسرے لحاظ سے وہ تخفیف کے مستحق تھے کہ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اتمامِ حجت نہیں کیا تھا۔ چنانچہ ان کے لیے کچھ احکام مشرکین عرب کی طرح تھے (مثلاً نکاح اور ذبائح کی حرمت) اور کچھ احکام اہل کتاب کی طرح (مثلاً ان کی حکومت کے خاتمے کے بعد انہیں مسلمانوں کے ماتحت رہتے ہوئے اپنے باطل دین پر قائم رہنے کا اختیار دیا گیا)۔

جہاں تک صحابہ کرام کی جنگوں کا تعلق ہے انہوں نے دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تکمیل کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں جبکہ جزیرۃ العرب میں ان کا مشن پورا ہو چکا تھا، سورہ توبہ میں یہ حکم نازل ہوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ¹¹

"اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو جو تمہارے قریب ہیں اور چاہئے کہ وہ تم میں سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ ان لوگوں کی ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔"

اس حکم کی تعمیل میں انہوں نے ان قوموں کے ساتھ جنگیں لڑیں جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط کے ذریعے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر وہ اسلام قبول نہیں کریں گے تو ان کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا اور پھر انہیں آخرت کی سزا بھی بھگتنی ہوگی۔ پس جہاد کا یہ مخصوص پہلو خلافتِ راشدہ میں اپنی تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔¹²

7۔ جنگ سے قبل اسلام کی دعوت:

عہدِ خلافتِ راشدہ میں ہونے والی جنگی مہمات دورِ نبوی کے غزوات و سرایا کا ہی تسلسل تھیں، اسلامی لشکر طریقہ نبوی کے مطابق متخارین کو باقاعدہ اسلام کی دعوت پیش کرتا، انکار پر جزیہ کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا اور تردید کی صورت میں جنگ کی جاتی تھی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اور اس کے ساتھیوں کو بالعموم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیتے اور فرماتے جب تمہارا مشرکین سے مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں میں سے کسی ایک کی طرف دعوت دینا وہ ان تین میں سے جس کو بھی مان لیں تو تم قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا، ان کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کا اسلام قبول کرنا اور ان سے جنگ نہ کرنا اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی دعوت

¹¹ Al Tawba: 12.

¹² Mushtāq Ahmad, Jihād, Muzāhmat aur Baghawāt (Gujranwala, Al Shariya Academy, 2021 AD), 228-229.

دینا اگر وہ جزیہ دینے پر تیار ہوں تو ان کی یہ پیش کش قبول کرنا اور ان سے جنگ نہ کرنا اور اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان کے خلاف جہاد شروع کر دینا۔¹³

امام ابو بکر کاسانی (م 587ھ) لکھتے ہیں:

اگر کفار کو پہلے دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ پہلے اسلام کی دعوت دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذْ عِ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ¹⁴ "حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستہ کی طرف دعوت دیجئے اور ان پر اچھی طرح حجت قائم کیجئے۔" اور دعوتِ اسلام سے پہلے ان لوگوں سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ دعوتِ اسلام سے پہلے صرف عقل کی وجہ سے اگرچہ ان پر ایمان لانا واجب ہو چکا تھا اور وہ ایمان نہ لانے کی وجہ سے قتل کے مستحق تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی طرف انبیاء و رسول بھیجنے اور ان کو تبلیغ کرنے سے پہلے ان سے قتال کو حرام کر دیا ہے اور یہ ان پر محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے تاکہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَكْنَاكُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَتَتَّبِعْ اٰيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ¹⁵ یعنی اور اگر ہم رسول کے آنے سے پہلے انہیں کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل و خوار ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی اتباع کر لیتے۔" جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاد بحیثیت جہاد فرض نہیں ہے بلکہ جہاد دعوتِ اسلام کی وجہ سے فرض ہے اور جنگ کی بہ نسبت بیان اور تبلیغ سے اسلام کی دعوت دینا زیادہ سہل اور آسان ہے اس لیے جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب پہلے انہیں اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو اور اگر ان کو اس سے پہلے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے تو تجدید دعوت کے بغیر بھی ان سے جنگ کرنا جائز ہے لیکن اس کے باوجود جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا افضل اور مستحب ہے کیونکہ ان کے اسلام قبول کرنے کی امید بہر حال قائم ہے اور روایت ہے کہ جن لوگوں کو کئی مرتبہ اسلام کی دعوت دی جا چکی ہو ان سے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت دینے کے بعد جنگ کرتے تھے۔ اگر کفار نے دعوتِ اسلام کے بعد اسلام قبول کر لیا تو ان سے جنگ نہ کی جائے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ "لا الہ الا اللہ" نہ کہہ لیں اور جب وہ یہ کلمہ پڑھ لیں تو ان کی جان اور مال مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے ماسوا اس چیز کہ جس پر کسی کا کوئی حق ہو۔ اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو مشرکین عرب اور مرتدین کے علاوہ باقی لوگوں پر جزیہ پیش کریں اگر وہ جزیہ ادا کرنا قبول کر لیں تو ان سے جنگ نہ کریں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

¹³ Imām Muslim, Al Jami' as Sahih, Kitāb ul Jihād, (Beitut: Dār Ihya al Turath al 'Arbī, 1982 AD), Hadith No. 1731.

¹⁴ Al Nahl: 125.

¹⁵ Al Nahl: 134.

اگر یہ لوگ ذمیوں کا عہد قبول کر لیں تو ان کے لیے مسلمانوں کے حقوق ہوں گے اور ان پر مسلمانوں کی سزائیں ہوں گی اور اگر وہ جزیہ سے انکار کریں تو اللہ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیں۔¹⁶

فریقین میں صلح کا معاہدہ طے پایا جس میں مذکورہ بالا تین باتوں کو پیش کرنے کی وجہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں:

" هذا كتاب من خالد بن الوليد لاهل الحيرة ، أن خليفة رسول الله ﷺ ابا بكر امرني ان اسير بعد منصرفي من اليمامة الى اهل العراق من العرب والعجم ، وان ادعواهم الى الله والى رسوله ، وابشرهم بالجنة وانذرهم من النار ، فان اجابوا فلهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين ، واني انتهيت الى الحيرة فجاء الى "اياس بن قبيصة الطائي" في اناس من اهل الحيرة من رؤسائهم واني دعوتهم الى الله والى رسوله فابوا ان يجيبوا فعرضت عليهم الجزية او الحرب ، فقالوا : لا حاجة لنا بحريك ولكن صالحنا على ما صالحت عليه غيرنا من اهل الكتاب في اعطاء الجزية¹⁷

"یہ معاہدہ خالد بن ولید کی طرف سے اہل حیرہ کے لیے ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے (جنگ) یمامہ سے واپس لوٹتے ہی حکم دیا کہ میں اہل عراق کی طرف جاؤں، انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دوں اور انہیں جنت کی بشارت دوں اور دوزخ کا ڈر سناؤں۔ پس اگر وہ قبول کریں تو ان کے حقوق و فرائض وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں۔ جب میں حیرہ پہنچا تو میرے پاس "ایاس بن قبیصہ طائی" حیرہ کے چند سرداروں کے ہمراہ آیا، میں نے ان تمام کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی مگر انہوں نے اسے مسترد کر دیا۔ میں نے ان کے سامنے جزیہ کی ادائیگی یا جنگ لڑنے کی شرط رکھی۔ ان کا جواب تھا کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے البتہ ہم انہی شرائط پر جزیہ کی ادائیگی کی صورت میں صلح کرنا چاہتے ہیں جن شرائط پر تم لوگوں نے اہل کتاب سے صلح کی ہے۔"

امام طبری بیان کرتے ہیں کہ جس وقت اسلامی لشکر دریائے دجلہ کو عبور کر کے ایرانی سلطنت کے مرکز "مدائن" پہنچا تو پورا شہر خالی ہو چکا تھا لوگ اپنا مال و متاع سمیٹ کر نقل مکانی کر چکے تھے، صرف چند لوگ باقی تھے جو "قصر ابیض" میں قلعہ بند ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور:

خبروهم بين واحدة من ثلاث ، الاسلام او الجزية او القتال - و بعد مضي ثلاثة ايام من حصار المسلمين لهم اجابوا الى دفع الجزية۔¹⁸

"مسلمانوں نے انہیں تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا، قبول اسلام، یا جزیہ کی ادائیگی یا جنگ۔

محاصرہ کے تیسرے روز انہوں نے جزیہ کی ادائیگی کو قبول کر لیا۔"

مؤرخ ازدی کے بیان کے مطابق حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اہل "ایلیاء" کو جنگ یرموک سے قبل خط لکھا اور انہیں مذکورہ بالا تین باتوں میں سے ایک کے قبول کرنے کی دعوت دی، اہل شہر نے حالات کے پیش نظر فوری جواب دینے سے گریز کیا

¹⁶ Abu Bakr bin Mas 'ūd, Al Kāsānī, Bdā' as Snā' (Karachi: H.M. Sa'id Company, 1980 AD), 100/7.

¹⁷ Abu Bakr bin Mas 'ūd, Al Kāsānī, Bdā' as Snā' , 290-288.

¹⁸ Muḥammad bin Jarīr, Al Tabrī, Tarīkh al Tabrī (Beirut: Dār Ihya al Turath al 'Arbī, 1982 AD), 11-14/4.

کچھ دنوں بعد یہ جواب ارسال کیا کہ ہم پیش آمدہ جنگ کے نتائج کے منتظر ہیں اگر آپ کو فتح ہوئی تو ہم شام کے دیگر امصار و بلاد کی طرح صلح کو ترجیح دیں گے۔¹⁹

8- نقض عہد کے باوجود مصالحت کو ترجیح دینا:

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ امن معاہدات کو توڑنا جنگ کے جواز کا سبب ہے اس کے باوجود صحابہ کرام نے جنگ پر امن اور صلح کو فوقیت دی، قیام امن کے لیے صلح جوئی اور مصالحت کو ترجیح دینا اسلام کا مزاج ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو امن و سلامتی کی بحالی کے لیے صلح پر آمادہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْتَنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ، وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخَذَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ²⁰

"اور اگر وہ (کفار) صلح کے لیے جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں بے شک وہی خوب سننے والا جاننے والا ہے اور اگر وہ چاہیں کہ آپ کو دھوکہ دیں تو بے شک آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔"

فریق ثانی اگر تمام تر مصالحانہ کوششوں کے باوجود امن معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کھلی بغاوت، دشمنی اور سرکشی پر اتر آئے تو براہری کی بنیاد پر معاہدہ ختم کیا جاسکتا ہے۔ مگر اسلام مسلمانوں کو صبر و تحمل سے کام لینے کی ہدایت کرتا ہے اور امن و آشتی اور صلح پسندی کی ترویج و اشاعت کی تلقین کرتا ہے۔ عہدِ خلافت راشدہ کی جنگی مہمات میں متعدد دیہات اور شہروں سے ہونے والے امن معاہدات کو فریق ثانی نے توڑا مگر اسلامی لشکر نے بار بار عہد توڑنے کے باوجود معاہدات کو طے کیا اور امن کے قیام کے لیے جنگ کی بجائے صلح کو ترجیح دی۔ امام طبری بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے اہل حیرہ سے تین مرتبہ صلح کے معاہدات طے کیے، پہلا امن معاہدہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا جبکہ دوسرا اور تیسرا دونوں معاہدات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں منعقد ہوئے، کیونکہ:

ان اهل الحيرة كانوا ينتقضون على المعاهدات كلما اتاحت لهم فرصة لذلك²¹

"اہل حیرہ کو جب بھی موقع ملتا معاہدات کو توڑ دیتے تھے۔"

مؤرخ بلاذری کے بیان کے مطابق حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو قرقیسیاء کی جانب روانہ کیا اور اہل قرقیسیاء نے اہل رقبہ کی شرائط پر صلح کا مطالبہ کیا، اسلامی لشکر کی جانب سے ان سے صلح کا معاہدہ طے پایا، مگر اسلامی لشکر کی روانگی کے بعد انہوں نے بغاوت کی اور معاہدہ توڑ دیا اور اپنی سرکشی پر قائم رہے۔ مزید لکھتے ہیں:

و عند ما تولى عمير بن سعد الانصاري امانة دمشق و حمص لعمر بن الخطاب رضي الله عنه غزا ارض الجزيرة في اول ولايته، وكان اهل قرقيسياء قد نقضوا صلحهم في اثناء ذلك فصالحهم على نفس شروط صلحهم الاول²²

¹⁹ Muḥammad bin ‘abdullah, Futūh al Shām, (Calcutta: Baptist Mission, 1854 AD), 165-165.

²⁰ Al Anfāl: 61-62.

²¹ Muḥammad bin Jarīr, Al Tabrī, Tarikh al Tabrī, 364/3.

²² Balāzrī, Futūḥul Buldān, 179.

"اور جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ دمشق اور حمص کے گورنر بنے تو ابتدائی ایام میں سرزمینِ جزیرہ کی طرف لشکر کشی کی، اسی دوران اہل قرقیسیاء صلح کا معاہدہ توڑ چکے تھے آپ نے ان کے ساتھ پہلے معاہدہ صلح کی شرائط پر دوبارہ صلح کی۔" اہل دمشق سے صلح کا معاہدہ اس وقت طے پایا جب نصف شہر بزورِ شمشیر فتح ہو چکا تھا مگر تمام اہل دمشق کو مساوی حیثیت دیتے ہوئے کسی بھی قسم کی حق تلفی سے محفوظ رکھنے کے لیے اس معاہدہ میں شامل کیا گیا۔ اور یہی دستور ان تمام بلاد و امصار میں نافذ ہوا جن کا کچھ حصہ بزورِ شمشیر اور کچھ حصہ بذریعہ صلح فتح ہوا۔

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ اہل آذربائیجان کے بار بار عہد توڑنے کے باوجود انہیں امان دی گئی اور ہر دفعہ ان کی سرکشی کو نذر انداز کیا گیا۔ تاریخی روایات کے مطابق تین مختلف سالاروں حضرت حذیفہ بن یمان، عتبہ بن فرقہ اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے معاہدات طے ہوئے، امن کو ترجیح دینے کا انداز یہ تھا کہ مؤخر الذکر دونوں سالاروں نے انہی شرائط پر صلح کے معاہدات طے کیے جو شرائط پہلی مرتبہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ان سے طے کر چکے تھے اور اپنی طرف سے مزید کسی شرط کا اضافہ نہیں کیا۔²³

مذکورہ بالا روایات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی جہاد کا مقصد قتل و غارت گری نہیں بلکہ امن کی دعوت تھا اسی لیے مقبوضات میں ہونے والی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے طاقت کے استعمال کی بجائے صلح اور امن کے معاہدات کو ترجیح دی گئی۔

9۔ امان عام:

اسلام رواداری، مساوات اور صلح پسندی کا درس دیتا ہے، اسلام کے دین امن و آشتی ہونے کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ اگر مشرکین میں سے کوئی بھی آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ²⁴

"اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دے دیجئے حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر آپ اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے یہ حکم اس لیے ہے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔"

عہدِ خلافتِ راشدہ میں ہونے والے معاہدات کے مطابق صلح کا مطالبہ کرنے والوں کو بلا امتیاز پناہ دی گئی، شخصی امان کے لیے شہر میں موجود افراد کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اس شہر کے مستقل باشندے ہوں بلکہ شہر میں موجود خارجی افراد کو بھی انہی شرائط پر امان دی جاتی اور اگر کوئی اس شہر سے نقل مکانی کرنا چاہتا تو اسے اس کی عام اجازت دی جاتی اور اس بات کی ضمانت بھی کہ جب تک وہ اپنی متعین کردہ امن کی جگہ پر نہیں پہنچ جاتا اس سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اہل بعلبک سے جو معاہدہ طے کیا اس کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

هذا كتاب امن لفلان بن فلان و اهل بعلبك ، رومها و فرسها و عربها²⁵

²³ Balāzrī, Futuḥul Buldān, 320.

²⁴ Al Tawba: 6.

"یہ امن کا معاہدہ ہے فلاں بن فلاں کے لیے اور بعلبک کے تمام باشندگان کے لیے جن میں رومی،

فارسی اور عربی تمام شامل ہیں۔"

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جنگ جلولا کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر بن عبد اللہ بنجلی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر "حلوان" کی جانب روانہ کیا، اہل شہر سے صلح کا جو معاہدہ طے پایا اس کے مطابق جو شخص نقل مکانی کرنا چاہے اسے عام اجازت ہوگی اور اس کا مال و اسباب بھی اس سے نہیں چھینا جائے گا، بلکہ اسے مکمل تحفظ فراہم کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ کسی محفوظ مقام پر منتقل ہو جائے۔²⁶

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں ہونے والے معاہدات میں ہر علاقے سے تعلق رکھنے والے افراد کو امان دی گئی اور اس بات کی ضمانت دی گئی کہ جو کوئی شہر سے جانے کا ارادہ رکھتا ہو اس سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ قرآن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نقل مکانی کی اجازت کا مطالبہ عموماً ان لوگوں کی طرف سے تھا جو عارضی طور پر مفتوحہ علاقوں میں اقامت پذیر تھے جن میں خاص طور پر سلطنتِ روم اور ایران کی طرف سے انتظامی امور کو چلانے کے لیے مقرر کردہ حکام، ان کے اہل خانہ اور حفاظی دستوں پر مشتمل سپاہی شامل تھے۔ اور ان تاجروں کو بھی نقل مکانی کی عام اجازت دی گئی جو اپنا سامان تجارت لے کر مختلف علاقوں میں گھومتے رہتے تھے تاکہ لوگوں کے لیے اپنی ضروریاتِ زندگی کی اشیاء کا حصول آسان ہو اور ان کے لیے کسی قسم کی تنگی اور مشکل پیدا نہ ہو۔

10- اسلامی جہاد کا ہدف:

عہدِ خلافتِ راشدہ میں ہونے والے معاہدات میں مذکور شرائط کا بغور جائزہ لینے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی جہاد کا ہدف مال و دولت کا حصول نہیں تھا اور نہ ہی مجاہدین معاصر ریاستوں کی افواج کی طرح لوٹ مار اور قتل و غارت گری کرنے والے تھے۔ تمام مجاہدین جہاد کے ضمن میں قرآن و سنت کے طے شدہ قواعد و ضوابط کے سخت پابند تھے۔ تاریخی روایات کے مطابق خلفاء راشدین بھی اسلامی سالاروں کے نام خطوط میں انہیں قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب کسی لشکر کو جنگی مہم پر روانہ کرتے تو انہیں وصیت کرتے:

انکم ستجدون اقواما قد حبسوا انفسهم فی هذا لصوامع فاتركوهم وما حبسوا له انفسهم ولا تقتلوا کبیرا
حرما ولا امرأة ولا ولیداً ولا تخربوا عمراناً ولا تقطعوا شجرة الا لنفع ولا تعقرن بهيمة الا لنفع ولا تحرقن نخلا ولا
تغرقن ولا تغدر ولا تمثل ولا تجبن ولا تغلل²⁷

"تم عنقریب ایسے لوگوں سے ملو گے جنہوں نے خود کو عبادت گاہوں میں روک رکھا ہو گا پس تم ان سے تعرض نہ کرنا، ضعیف العمر، کمزور، عورت اور بچے کو قتل نہ کرنا، آبادی کو ویران نہ کرنا، بلا ضرورت درخت نہ کاٹنا اور نہ ہی چوپائے کو ذبح کرنا، کھجور کے باغات نہ جلانا، غداری نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، بزدلی نہ دکھانا اور نہ ہی مالِ غنیمت کی تقسیم میں دھوکہ دینا۔"

²⁵ Balāzrī, Futuḥul Buldān, 132.

²⁶ Muḥammad bin Jarīr, Al Tabrī, Tarīkh al Tabrī, 28/4.

²⁷ Aḥmad bin Ḥusain, Al Sunan al Kubrā, Kitāb al Siyar (Multan: Maktaba Imdādīa, 2001 AD), 90/0.

معاهدات کے تناظر میں اسلامی جہاد کے بنیادی اہداف امن و امان کا قیام، عدل و انصاف کی فراہمی اور اسلام کی نشر و اشاعت تھی۔ معاصر ریاستوں کی طرح مجاہدین نے مفتوحین کے بنیادی حقوق کا استحصال نہیں کیا بلکہ ان کا مکمل خیال رکھا۔ مجاہدین کی معاشی حالت کو سامنے رکھ کر جزیہ کی ادائیگی کی شرائط کو طے کیا گیا، جزیہ کی ادائیگی صرف آزاد بالغ مرد پر لازم تھی جبکہ باقی تمام طبقات کو استثناء حاصل تھا۔

11- عہدِ مسلم کی پاسداری:

اسلامی روایات کے مطابق تمام مسلمانوں کے عہد کی حیثیت ایک جیسی ہے، مسلمانوں کا کوئی ادنیٰ فرد بھی کسی غیر مسلم کو امان دے یا اس کے تحفظ کا ضامن ہو تو تمام مسلمانوں پر اس کے عہد کی پاسداری لازم ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ذمة المسلمین واحدة یسعی بها ادناہم فمن اخفر مسلماً فعليه لعنة الله و الملائكة والناس اجمعین لا یقبل منه صرف ولا عدل²⁸

"مسلمانوں کی امان ایک ہے ادنیٰ مسلمان بھی عہد کا ذمہ اٹھا سکتا ہے، جس نے کسی مسلمان کی امان کو توڑا، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی اور اس کا کوئی نفل اور فرض قبول نہیں کیا جائے گا۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! سب مومنوں کے خون برابر ہیں، ادنیٰ مومن بھی امان دے سکتا ہے، وہ سب اپنے غیروں پر ایک ہاتھ کی مانند ہیں، خبردار! مومن کو کافر کے بدلے اور ذمی کو اس کے معاہدے کے زمانے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔²⁹

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان نے کسی غیر مسلم کو پناہ دی، اس لشکر کے امیر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے کہا! ہم اس کو پناہ نہیں دیں گے۔ لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا! ہم اس کو پناہ دیں گے، کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ کوئی ایک مسلمان تمام مسلمانوں پر پناہ دے سکتا ہے۔³⁰

کتبِ تاریخ میں عہدِ خلافتِ راشدہ میں ہونے والے چند ایسے معاهدات بھی مذکور ہیں جو مروجہ طریقے سے ہٹ کر طے پائے، امیر لشکر یا امیر المؤمنین کے علاوہ کسی غیر معروف سپاہی یا غلام نے فرد، افراد یا پورے شہر کو پناہ دی تو مسلمانوں نے اس کے عہد کو پورا کیا اور امان کو نہیں توڑا۔ امام طبری بیان کرتے ہیں کہ:

"سوس کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے جندی سابور کا محاصرہ کر لیا، کئی دنوں تک محاصرہ جاری رہا اور فریقین میں بھرپور جنگ ہوتی رہی حتیٰ کہ اسلامی لشکر میں سے کسی نے اہل شہر کو پناہ دے دی جس کی اطلاع تیر پھینک کر دی گئی تھی جس کے نتیجے میں شہر کے دروازے اچانک کھول دیئے گئے اور لوگ ہتھیار ڈال کر

²⁸ Al Bikhārī, Al Jami ' as Sahīh (Dār Ihya al Turath al 'Arbī, 1982 AD), Hadith No. 1346.

²⁹ Aḥmad bin Ḥambal, Al Musnad, (Dār Ihya al Turath al 'Arbī, 1982 AD), Hadith No. 959

³⁰ Aḥmad bin Ḥambal, Al Musnad, Hadith No.1695

باہر نکل آئے۔ اس پر اسلامی لشکر کے سالار نے دریافت کروایا کہ انہیں کیا ہوا کہ اچانک جنگ بندی کر کے شہر پناہ سے باہر نکل آئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ تیر اندازی کے ذریعے ہمیں صلح کا پیغام دیا گیا جسے ہم نے قبول کر لیا ہے اور ہم اپنی حفاظت کی شرط پر جزیہ کی ادائیگی کا وعدہ کرتے ہیں۔ اسلامی لشکر کے سالار نے تعجب سے کہا کہ ہم نے ایسا کوئی پیغام نہیں دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم جھوٹ نہیں بول رہے، بالآخر تحقیق سے معلوم ہوا کہ مکنف نام کے ایک غلام نے انہیں امن و امان کا پیغام لکھ کر بھیجا تھا، مسلمانوں نے کہا کہ وہ تو غلام ہے، اہل شہر نے کہا کہ ہم اس سے واقف نہیں کہ آپ میں سے آزاد کون ہے اور غلام کون ہے۔ ہمیں صلح کا پیغام دیا گیا جسے ہم نے قبول کر لیا ہے اور ہم اس پر قائم ہیں۔ اسلامی لشکر نے اس پر توقف کرتے ہوئے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو صورتحال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے جواباً تحریر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے عہد کی پاسداری کو بہت اہمیت دی ہے تم اہل شہر سے غلام کی مصالحت کی دعوت پر معاہدہ طے کرو اور اس پر قائم ہو جاؤ۔³¹

امام طبری بیان کرتے ہیں کہ جنگ نمارق کے موقع پر ایرانی لشکر کے سالار "جابان" کو ایک نہایت سادہ لوح سپاہی مطرب بن فضہ تمیمی نے گرفتار کر لیا، جابان نے کمال چالاکی سے مطرب بن فضہ کو کچھ رقم دے کر امان حاصل کر لی۔ اتفاق سے دوسرے مسلمانوں نے اسے پہچان لیا اور گرفتار کر کے اسلامی لشکر کے سالار حضرت ابو عبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے، باہمی مشاورت سے طے پایا کہ اسے قتل کر دیا جائے، جابان نے ان پر واضح کیا کہ میں ایک مسلمان کی امان میں ہوں، تحقیق سے جب اس کا دعویٰ ثابت ہو گیا تو حضرت ابو عبید رضی اللہ عنہ عہد کی پاسداری کرتے ہوئے یہ کہہ کر اسے رہا کر دیا کہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ ایسے آدمی کو قتل کروں جسے ایک مسلمان پناہ دے چکا ہے۔ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں جب ان میں سے کسی ایک نے بات اختیار کر لی تو گویا سب سے اس بات کو اختیار کر لیا۔³²

یہ بات غور طلب ہے کہ اہل ذمہ صلح کا مطالبہ کیوں کرتے تھے؟ حالانکہ انہیں اپنی مقامی سپاہ کی بھرپور مدد کرنی چاہیے تھی اور اسلامی لشکر کو اپنی سر زمین سے نکالنے کے لیے میدان جنگ میں اترنے سمیت ہر ممکنہ کوشش کرنی چاہیے تھی۔ مگر تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اکثر بلاد و امصار بذریعہ صلح اسلامی ریاست کا حصہ بنے اور صلح کے پیغامات بھی اہل شہر ہی کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ معابدات کی عبارات اور تاریخی روایات سے اہل ذمہ کے صلح کے مطالبات کی متعدد وجوہات سامنے آتی ہیں:

- 1۔ اہل ذمہ یہ سمجھتے تھے کہ مصالحت کی وجہ سے ان کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ ہوں گے اور وہ بے خوف و خطر آزادانہ زندگی گزار سکیں گے۔

- 2۔ مصالحت کی صورت میں ان کی زمینیں، جائیداد، مکانات اور عبادت گاہیں نہ صرف ان کے تصرف میں رہیں گی بلکہ ان کی ملکیت کے حقوق بھی انہی کے پاس رہیں گے اور جملہ املاک ہر کسی کے قبضے اور انہدام سے محفوظ رہیں گی۔
- 3۔ مصالحت کی صورت میں مسلمان ان پر کسی قسم کا ظلم و ستم نہیں کریں گے اور اندرونی و بیرونی جارحیت سے ان کا تحفظ کریں گے۔

³¹ Muḥammad bin Jarīr, Al Tabrī, Tarīkh al Tabrī, 505/2.

³² Muḥammad bin Jarīr, Al Tabrī, Tarīkh al Tabrī, 425-426/2.

4۔ اسلامی لشکر کا اپنے مفتوحین سے رویہ معاصر ریاستوں سے بالکل مختلف تھا کیونکہ اسلامی لشکر ہر سطح پر جنگی اخلاقیات کا مظاہرہ کرتا اور مفتوحین اور معاہدین کے اخلاقی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ کرتا تھا جس کی بنیاد پر اہل ذمہ اسلامی ریاست کا حصہ بننا پسند کرتے اور صلح کے معاہدات طے کرتے تھے۔

معروف جغرافیہ دان یا قوت الحموی بیان کرتے ہیں کہ شام کے شمالی علاقے میں حمص کا جڑواں شہر قنسرین تھا جسے مسلمانوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں 15 ہجری میں بذریعہ صلح فتح کیا۔ اس دن سے اس شہر کے تمام مکانات اور عبادت گاہیں اپنی اصل حالت پر قائم رہیں لیکن 351ھ یا 355ھ میں رومی لشکر نے اس پر حملہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، آبادی کو قتل کر دیا گیا، مکانات کو مسمار کر دیا گیا اور عبادت گاہوں کو بھی منہدم کر دیا گیا۔ اس تباہی کے بعد یہ شہر دوبارہ تعمیر نہیں ہوا۔³³ یہ ایک مثال اسلامی لشکر اور دیگر افواج کے اندازِ جنگ کا تقابل بڑی وضاحت کے ساتھ سے پیش کرتی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی جہاد کا ہدف قتل و غارت گری اور لوٹ مار نہیں تھا بلکہ معاصر اقوام کو دین کی دعوت دینا، ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنا اور امن و امان کو فروغ دینا تھا۔

جہاد کی عصری معنویت:

عہدِ خلافتِ راشدہ کے جہاد کے اغراض و مقاصد سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ جہاد کا ہدف وہ اغراض نہیں ہیں جو عموماً جنگ میں فریقین کی ہوتی ہیں۔ اسلامی جہاد نہ تو زمین پر فرمان روائی اور کشور کشائی کے لیے ہے اور نہ غنائم پر قبضہ جمانے کے لیے ہے، مجاہدین اسلام کی عسکری کارروائیوں کا مقصد نہ تو اپنے مال کی فروخت کے لیے منڈیوں کا حصول ہے اور نہ ہی ایک نسل کا دوسری نسل پر فوقیت قائم کرنا ہے بلکہ اس کا مقصد فقط پروردگارِ عالم جل جلالہ کی خوشنودی کا حصول، اجتماعی عدالت کا قیام اور ان لوگوں کی حمایت جو ظالم کے جور و ستم کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس بنیاد پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ:

"اسلامی جہاد صرف اس لیے ہے کہ انسانی معاشرے میں فتنہ باقی نہ رہے اور خدائی دین تمام انسانی معاشروں میں رواج پائے۔" آج ہر طرف سے اسلام مخالف قوتیں مسلمانوں کو سیاسی، معاشی، سماجی اور دفاعی سطح پر پیچھے دھکیلنے اور روحانی و نظریاتی طور پر کمزور کرنے کے لیے کمر بستہ ہیں اور دوسری طرف امتِ مسلمہ کی افتراق و انتشار کی حالت دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے جملہ مسائل کا حل فقط حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعلیمات پر عمل سے ممکن ہے لیکن دیکھا جائے تو اس وقت سب سے اہم مسئلہ "اتحادِ عالم اسلام کا فقدان" ہے۔ یعنی کسی بھی مسئلے پر امتِ مسلمہ متحد ہو کر بات کرنے کو تیار نہیں ہے پھر چاہے ماہِ اکتوبر 2023ء سے اب تک گزشتہ تین ماہ میں اسرائیل دہشت گردی میں پچیس ہزار مسلمانوں کا شہید ہونا اور لاکھوں لوگوں کا بے گھر ہونا، اپنی بنیادی ضروریات سے محروم ہونا ہو، ماضی قریب میں روہنگیا مسلمانوں کا قتل عام ہو یا پھر اہل کشمیر کا اپنے حق خود ارادیت سے مستقل طور پر محروم ہونا ہو۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ امنِ عالم بھی امنِ ملتِ مسلمہ سے ہی مشروط ہے۔ عہدِ حاضر کے تناظر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرتے ہوئے جہادِ اسلامی کے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے معاشرتی امن و بقاء میں اپنا کردار نبھائیں۔

³³ Al Hamawī, Mu 'jam al Buldān, 404/4

خلاصہ بحث:

عہدِ خلافتِ راشدہ میں ہونے والی تمام جنگی مہمات دراصل عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا کا ہی تسلسل تھیں۔ اسلام امن کا درس دیتا ہے اور انتہائی ناگزیر حالات میں جنگ کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے، جنگ بوقتِ ضرورت ہوگی اور اسلامی روایات سے ماخوذ جنگی اخلاقیات کی بنیاد پر امن کے حصول اور دفاع کے لیے لڑی جائے گی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق جہاد کی اجازت حقوق کے دفاع کے لیے، ظلم و فساد کے خاتمے کے لیے، امن معاہدات کی خلاف ورزی کی صورت میں، داخلی امن و استحکام کیلئے اور اسلام کے خلاف محاربے کی صورت میں ہوگی۔ عہدِ خلافتِ راشدہ میں ہونے والے جہاد کے اہداف و مقاصد اور فوائد و نتائج واضح ہوتے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

- 1- جنگ سے قبل فریقِ ثانی کو اسلام کی دعوت دی جائے گی۔
- 2- دعوتِ اسلام کو مسترد کرنے کی صورت میں جزیہ کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا۔
- 3- جزیہ کی ادائیگی سے انکار کی صورت میں جنگ ہوگی اور آغاز میں پہل نہیں کی جائے گی۔
- 4- نقضِ عہد کے باوجود قتال پر مصالحت کو ترجیح دی جائے گی۔
- 5- اہل شہر کو دی جانے والی امان "عام" ہوگی جس میں شہر میں موجود تمام مستقل اور عارضی رہائشی داخل ہوں گے۔
- 6- اگر کوئی نقل مکانی کرنا چاہے تو اسے عام اجازت ہوگی اور اس کے مال و اسباب سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
- 7- نقل مکانی کرنے والوں کو محفوظ مقام تک منتقل ہونے کیلئے مکمل تحفظ فراہم کیا جائے گا۔
- 8- تاجروں کو تمام بلاد و امصار میں آمد و رفت کی اجازت ہوگی۔
- 9- تمام مسلمانوں کے عہد کی پاسداری کی جائے گی۔
- 10- جو علاقہ نصف صلح اور نصف جہاد سے فتح ہو اس پر صلح کے احکامات کا نفاذ ہوگا۔